Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.106, 2017 pp 07 - 20

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیۂ علومِ شرقیہ
جلد ۳۸، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۶

غالب کا دارالسرور

ڈاکٹر لیاقت علی☆

Abstract:

Ghalib is a legend Urdu poet. He was brought up in a well off family. He got pesion against the services of his guardian uncle, from the East India Company. During the anarchy of 1857, he was deprived of the pension. So he had to contact Yousaf Ali Nazim (Nawwab of Ram Pur, Ghalib's student during his stay at Dehli). Ghalib visited Rampur twice in his life. He was impressed by the weather and landscape of Ram Pur. He called it Dar us Suroor, admiring in a verse. A stipend of Rs. 100 was sanctioned for him by the state. His relationship with ruler was personal as well as political because he used to inform day to day circumstances to the Nawwab. Some poets mentioned in this article were formal students of Ghalib at Ramn Pur.

غالبؔ انیسویں صدی کے وہ بے مثال شاعر ہیں جن کا ہم سر تو کجا، مقلّد بھی آج تک پیدا نہیں ہوا۔ اُن کی زندگی میں اور اُن کے بعد اردو شاعری میں مقبول ہونے والے رجحانات، اسلوبِ غالبؔ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ وہ تاج دارِ سخن، شاعر اور شخصیت، دونوں حوالوں سے اتنے اہم ہیں کہ بیسویں صدی کے ادب پر ان مٹ نقوش مرتب کرنے کے بعد اکیسویں صدی کی شعریات پر بھی نقش ہائے رنگ رنگ منقّش کر رہے ہیں۔

☆ صدرِ شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج، ٹاؤن شپ لاہور۔

نام اسداللہ خاں، عرف مرزا نوشہ، تخلص غالبؔ اور خطاب ''نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ''۔
۸۔ رجب ۱۲۱۲ھ بمطابق ۲۷۔ دسمبر ۱۷۹۷ء آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد غالبؔ کی پرورش اُن کے چچا نصراللہ بیگ خاں نے اپنے ذمے لی جو اُس زمانے میں مرہٹوں کی طرف سے آگرہ کے صوبے دار تھے۔ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی پر قبضہ کیا تو نصراللہ بیگ کی اعانت سے آگرہ بغیر مزاحمت کے انگریزوں کی عمل داری میں چلا گیا۔ صوبہ داری، کمشنری میں بدل گئی اور نصراللہ بیگ خاں چار سو سواروں کے افسر مقرر ہوئے۔ ''۱۸۰۵ء میں سونک سونسا (متصل آگرہ) کا پرگنہ انگریزی قبضہ و تصرّف میں آیا تو لارڈ صاحب کی سفارش پر حکومت نے یہ پرگنہ بقیدِ حینِ حیات، اُن کی جاگیر میں دے دیا۔'' (۱) غالب آٹھ برس کے ہوئے تو اُن کے چچا نصراللہ بیگ خاں کا ہاتھی سے گر کر انتقال ہو گیا۔

غالبؔ نے ابتدائی تعلیم آگرہ کے معروف استاد خلیفہ محمد معظم سے حاصل کی۔ فارسی زبان و ادب میں اپنے ذوقِ مطالعہ اور ایک پارسی عالم ہرمزد کی مدد سے کمال حاصل کیا۔ ہرمزد نے مسلمان ہو کر عبدالصمد نام رکھا تھا۔

> ''اگرچہ کبھی کبھی مرزا کی زبان سے یہ بھی سُنا گیا کہ (مجھ کو مبداء فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے...... چونکہ مجھ کو لوگ بے استادا کہتے تھے، ان کا منہ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی استاد گھڑ لیا ہے) مگر اس میں شک نہیں کہ عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اُس سے کم و بیش فارسی زبان سیکھی تھی۔'' (۲)

غالبؔ کی فارسی زبان پر گرفت اور فارسی شاعری کے رموز سے گہری واقفیت مولانا حالی کے بیان کی تصدیق کرتی ہے۔ اُنھوں نے شاعری کا آغاز بھی فارسی زبان میں کیا۔ ''شاعری کی ابتدا بچپن ہی سے ہو گئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ایک فارسی غزل اپنے استاد مولوی معظم کی خدمت میں بغرضِ اصلاح اُس وقت پیش کی تھی جب کہ اُن کی عمر دس سال سے زیادہ نہیں تھی۔'' (۳)

۱۸۱۲ء میں غالبؔ آگرہ سے دہلی آ گئے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ امیر زادوں کی سی زندگی گزارتے تھے۔ فراخ دستی کے سبب پنشن میں گزارا نہیں ہوتا تھا، اگرچہ ۷۵۰ روپے سالانہ اُنھیں ملتے تھے۔ اُس زمانے میں یہ کوئی معمولی رقم نہ تھی۔ غالبؔ نے وسائل بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ فکرِ نظم و نثر کو قیدِ حیات کی مشقتِ مقرری جانتے تھے۔ غالبؔ نے ابتدائی زمانے میں کچھ عرصہ اسدؔ تخلص کیا تھا۔ ۲۶/اپریل ۱۸۵۹ء کو منشی شونرائن کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''میں نے تو کوئی دو چار برس ابتدا میں اسدؔ تخلص رکھا ہے ورنہ غالبؔ ہی لکھتا رہا ہوں۔''(۴)

غالبؔ نے زندگی میں ایک طویل سفر بھی کیا جو ۱۸۲۶ء سے ۱۸۲۹ء تک تین سال کے عرصے کو محیط ہے۔ اس سفر کے دوران میں اُنھوں نے لوہارو، فیروز پور جھرکہ، بھرت پور، کان پور، لکھنؤ، باندہ، الہ آباد، بنارس اور عظیم آباد میں ٹھیکی لی۔ یہ سفر پنشن کے سلسلے میں ہوا تھا۔ ''کانپور پہنچ کر مرزا غالب بیمار ہو گئے تھے اور ایسے بیمار کہ ان میں چلنے پھرنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ چونکہ کانپور میں اچھے معالج نہ تھے اس لیے بیماری ہی کی حالت میں وہ لکھنؤ چلے آئے جہاں وہ پانچ مہینے زیرِ علاج رہے......۲۱ر دسمبر ۱۸۲۷ء کو وہ کشتی میں سوار ہوئے اور عظیم آباد، ہگلی ہوتے ہوئے ۲۱ر فروری ۱۹۲۸ء کو کلکتہ پہنچے......مقدمہ جلدی فیصل ہوتا نظر نہ آیا تو وہ منشی نصر اللہ کو اپنا وکیل مقرر کر کے دلی کے لیے روانہ ہوئے اور تقریباً تین برس باہر رہ کر ۲۹ر نومبر ۱۸۲۹ء کو دلی پہنچ گئے۔''(۵) پنشن کے قضیے میں غالبؔ نے سولہ برس اعصابی تناؤ برداشت کیا مگر یہ ساری تگ ودو ان کے کسی کام نہ آئی۔ وہ حق پر ہوتے ہوئے بھی قانونی موشگافیوں کے باعث انصاف حاصل نہ کر سکے۔

۱۸۵۷ء کے غدر میں جب اُن کی وہ پنشن بھی بند ہو گئی جو اُن کے حصّے سے کم تھی تو وہ بالکل لاچار ہو گئے۔ ''غدر کے بعد دو برسوں تک مرزا کا یہی حال رہا۔ مگر دو برس بعد نواب یوسف علی خاں مرحوم رئیس رام پور نے سو روپے ماہوار ہمیشہ کے لیے مرزا کے واسطے مقرر کر دیا جو نواب کلب علی خاں مرحوم نے بھی بدستور مرزا کے اخیر دم تک جاری رکھا؛ اور غدر سے تین برس بعد جب مرزا ہر ایک الزام سے بری ثابت ہوئے، سرکاری پنشن بھی جاری ہو گئی۔'' (۶)

نواب یوسف علی خاں ناظمؔ کا بچپن دہلی میں گزرا۔ وہ مرزا غالبؔ سے فارسی پڑھا کرتے تھے۔ ۱۸۴۰ء میں اُن کے والد نواب محمد سعید خاں انگریزوں کی اعانت سے رام پور ریاست کے مسند نشیں ہوئے تو نواب یوسف علی خاں بھی نائب سلطنت ہو کر رام پور چلے گئے۔ ۱۸۵۷ء میں بذریعہ خط، کتابت اُن کا رابطہ غالبؔ کے ساتھ شروع ہوا۔ یہ مراسلت دو طرح کی تھی۔ ایک اصلاحِ سخن کے لیے اور دوسرے دہلی کے بدلتے ہوئے حالات سے باخبر رہنے کے لیے غالب کا پہلا اردو خط بنام یوسف علی خاں ۱۵۔ فروری ۱۸۵۷ء کا لکھا ہوا ہے جس میں وہ نواب مذکور کا تخلص تجویز فرماتے ہیں۔ ''میں نہیں چاہتا کہ آپ کا اسم سامی اور نامِ نامی تخلص رہے۔ ناظم، عالی، انور، شوکت، نیساں، ان میں سے جو پسند آئے وہ رہنے دیجے مگر یہ نہیں کہ

خواہی نخواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر وہی تخلص منظور ہو تو بہت مبارک۔'' (۷)

دوسرا سلسلہ اُن خطوط کا ہے جن میں غالبؔ دہلی کے حالات نواب یوسف علی خاں کو لکھتے تھے اور وہ خط نواب موصوف کے ملاحظہ کے بعد چاک کر دیے جاتے تھے۔

''میرزا صاحب نے ۸؍مارچ ۱۸۵۷ء کو ایک عریضہ ارسال کیا تھا جو ۱۱ ماہِ مذکور کو رامپور پہنچا۔ مثل میں اس کا صرف لفافہ شامل ہے اور اس کی پشت پر تحریر ہے (عرضی حسب الحکم چاک نمودہ شد۔ ۱۶؍رجب ۱۲۷۳ھ)'' (۸)

یکم۔ اپریل ۱۸۵۷ء کے لکھے ہوئے خط کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ قیاس یہ کہتا ہے؛ اِن خطوط کو تلف کرنے میں یہ حکمت ہوگی کہ غالبؔ پر ریاست کے لیے مخبری کا الزام نہ آئے۔ شروع میں نواب ناظم حقِ خدمت اپنی مرضی سے بھجواتے رہے اور غالبؔ نے یہ بھی لکھا کہ ''یہ بخشش کا بہانہ پیدا کرنا ہے، ورنہ حضور کے کلام کو اصلاح کی احتیاج کیا ہے؟'' مگر ۱۷۔ نومبر ۱۸۵۸ء کو خود غالبؔ نے نواب صاحب کو مدد کے لیے پکارا۔

''جو آپ بن مانگے دیں، اُس کے لینے میں مجھے انکار نہیں، اور جب مجھ کو حاجت آ پڑے تو آپ سے مانگنے میں عار نہیں۔ بارِگرانِ غم سے پست ہو گیا ہوں۔ آگے تنگدست تھا، اب تہی دست ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجے، اور کچھ بھجوا دیجے۔'' (۹)

۳؍دسمبر ۱۸۵۸ء کو غالبؔ نے اڑھائی سو روپے کی وصولی اور ناظم کی غزلوں کی ستائش لکھی اور نواب صاحب نے اُنھیں رام پور بُلایا تھا، اس کی معذرت لکھتے ہیں کہ پنشن جاری ہونے کی امید تھی اور وہ قرض خواہوں کا حساب چکانا چاہتے تھے، نواب ناظم کے نام غالبؔ کے خطوں میں روپیہ وصول کرنے کی رسیدیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ جولائی ۱۸۵۹ء سے اُن کا وظیفہ سو روپے ماہانہ مقرر ہو گیا تھا جو اُنھیں تاحیات ملتا رہا۔ غالبؔ کی وفات کے بعد اُن کی بیوہ محترمہ بھی غالبؔ کا قرض اتارنے کے لیے نواب کلب علی خاں کو عرضیاں ارسال کرتی رہیں۔ سرکارِ رام پور سے ۶ سو روپے کی ہنڈوی ادائے قرض کے لیے بھجوا دی گئی اور امراؤ بیگم یہ آخری فرض ادا کر کے مرزا غالبؔ کی پہلی برسی کے دِن ۲؍ذیقعد ۱۲۸۶ھ کو اِس عالمِ رنج و محن سے کنارا کر گئیں۔ سرکار کی طرف سے اُنھیں دس روپے ماہانہ کی منظوری ہوئی تھی مگر اس کے لیے کچہری میں حاضری ضروری تھی۔ بیگم صاحبہ کی حمیّت کو گوارا نہ ہوا اور اُنھوں نے یہ مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

نواب یوسف علی خاں ناظم غالبؔ کے واحد شاگرد تھے جنھوں نے اُن کے انداز میں غزل کہنے کی

کوشش کی۔ غالبؔ کی اصلاح نے اُن کی شاعری کو اعتبار بخشا۔ ناظم کا شعر ہے۔

آج وہ لے گیا دل چھین کے میرا مجھ سے — جس کو مٹی کے کھلونے پہ مچلتے دیکھا

اصلاحِ غالبؔ:

دل کو لینے میں یہ قدرت اُسے اللہ نے دی — جس کو مٹی کے کھلونے پہ مچلتے دیکھا (۱۰)

امتیاز علی عرشی اس سلسلے میں کچھ اور مثالیں بھی فراہم کرتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں۔ ''حسنِ اتفاق سے اصلاحی مسوّدوں میں سے چند کتاب خانے کے ردی گھر میں دستیاب ہو گئے ہیں اُن میں سے وہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن پر میرزا صاحب نے صاد کیا ہے۔ اِن شعروں پر تین صاد کیے ہیں:

حیلۂ پروریِ شرع کہاں سے سیکھا — قبرِ عاشق کا نشاں خوب مٹایا تو نے

کی بھلائی بھی، تو کس نخوت و پندار کے ساتھ — بختِ خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگایا تو نے

خاطر تو جمع ہے کہ نہیں بعد حشر موت — ناظم گذر ہی جائے گا روزِ شمار بھی

مارا ہے اس طرح کہ عجب کیا ہے، گر نہ ہو — محشر میں زندہ ہونے کا میرے یقیں تجھے

اِن شعروں پر دو صاد کیے ہیں:

چاہیے تجھ سے رہیں بندۂ آزاد ملول — چاہیے تجھ سے کریں کافر و دیندار، لحاظ

نہ تجھے حشر کا، اے فتنۂ ایّام، خیال — نہ تجھے خلق کا، اے شوخِ ستمگار، لحاظ'' (۱۱)

نواب یوسف علی خاں ناظم کے چچازاد صاحبزادہ عباس علی خاں بھی ۱۸۶۶ء میں غالبؔ کے شاگرد ہوئے۔ پہلے اُنھیں حکیم مومن خاں مومنؔ سے تلمذ تھا بعد میں اصلاح شدہ دیوان غالبؔ کو بھجوا دیا۔ غالبؔ نے اصلاح کی جس کی چند مثالیں امتیاز علی عرشی فراہم کرتے ہیں۔

''اِن شعروں پر دو دو صاد ہیں:

کیا ہوئی چینِ جبیں؟ ہنستے ہو کیسے نقش پر! — زندگی میں یوں کبھی صورت نہ دکھلائی ہمیں

غیر بھی کہہ نہیں سکتا ہے کہ بیتاب ہوں میں — نام سے میرے ہوئی ہے اُنھیں نفرت کیسی'' (۱۲)

منشی سیل چند شوخیؔ بھی غالبؔ کے شاگرد تھے۔ اُن کے تلمّذ کا قِصّہ دل چسپ ہے۔ ۱۸۶۰ء میں غالبؔ رام پور گئے تو منشی سیل چند جو دارالانشا رام پور کے افسر تھے، اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

اصلاح کے لیے اپنا کلام پیش کیا۔ غالبؔ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ نواب صاحب کی اجازت کے بغیر وہ کسی دوسرے کو شاگرد نہیں کریں گے۔ شوخیؔ یہ جواب پا کر مایوس ہوئے مگر کچھ دنوں بعد مرزا غالبؔ کے پاس شراب ختم ہوگئی، اور وہ جس طرح کی شراب چاہتے تھے، ملازمین میں سے کوئی فراہم نہ کر سکتا تھا۔ غالبؔ نے سیل چند شوخیؔ کو طلب کیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ وہ بخوشی اس کام کے لیے تیار ہو گئے اور ایک چھوڑ پانچ بوتلیں خدمت میں لا حاضر کیں۔

> ''دوسرے دِن شوخیؔ حاضر ہوئے، تو میرزا صاحب نے فرمایا، (وہ تمھاری غزل کہاں ہے، جو اُس دِن لائے تھے) شوخیؔ نے فوراً جیب سے نکال کر غزل پیش کر دی۔ میرزا صاحب نے اسے دیکھ کر جا بجا اصلاح دی۔ اصلاح دیتے جاتے تھے، اور ساتھ ساتھ ہدایات و افادات کا سلسلہ جاری تھا۔ اس کے بعد شوخیؔ دہلی جا کر کئی ماہ تک میرزا صاحب کی خدمت میں رہے۔'' (۱۳)

امتیاز علی عرشی نے شوخیؔ کے چند اشعار بطور نمونۂ کلام فراہم کیے ہیں:

ہوں کسی حالت میں، پر غصہ ہے اِس دلگیر پر — خود بخود بل آ گیا پیشانیِ تصویر پر

ہر ہر سخن پہ جان نہ دینے کا ہے گلہ — اک بات آ گئی ہے بُتِ خودنما کے ہاتھ

بنا کروں کوئی مے خانہ، جی میں ہے، شوخیؔ — کہ بعدِ مرگ زمانے میں یادگار رہے

کچھ روز جوانی کے مزے لینے دے زاہد — دو چار برس میں تو قیامت نہیں ہوگی

رام پور میں غالبؔ کے اور بھی متعدد شاگرد ہوئے ہیں اِن شعراء کی تربیت کے ذریعے غالبؔ نے دبستانِ رام پور کی شعری روایت کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ غالب نے اپنی زندگی میں دو مرتبہ رام پور کا سفر کیا۔ نواب یوسف علی خاں ناظمؔ نے کئی مرتبہ اُنھیں رام پور آنے کی دعوت دی مگر اپنی پنشن کے اجرا کے لیے وہ اس قدر مصروف تھے کہ ۱۹۔ جنوری ۱۸۶۰ء سے پہلے قصدِ سفر نہ کر سکے۔ رام پور جاتے ہوئے وہ عارفؔ مرحوم کے بیٹوں کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ دو ماہ کچھ دِن کم محلہ راج دوارہ کے شاہی مکان میں قیام کیا۔ بچوں نے واپس جانے کی ضِد کی تو غالب نواب صاحب سے اجازت لے کر ۲۴؍ مارچ ۱۸۶۰ء کو

دہلی چلے آئے۔

''رام پور کا دوسرا سفر ۱۸۶۵ء میں پیش آیا۔ اس سفر کی تقریب نواب محمد یوسف علی خاں مرحوم کی تعزیت اور نواب کلب علی خاں کے جشنِ مسند نشینی کی تہنیت تھی۔ مرزا غالبؔ ۱۲۔ اکتوبر ۱۸۶۵ء کو رام پور پہنچے۔ نواب صاحب تعظیم و تکریم اور محبت سے پیش آئے۔ اس باران کا قیام جرنیلی کوٹھی میں تھا۔ تقریباً ڈھائی مہینے رہ کر وہ ۲۸۔ دسمبر کو دلی کے لیے روانہ ہوئے۔'' (۱۴)

نواب کلبِ علی خاں نوابؔ شاعری میں امیرؔ مینائی کے شاگرد تھے تاہم اُنھوں نے ریاست کی طرف سے غالب کا وظیفہ جاری رکھا۔ فارسی نثر میں البتہ کبھی کبھار وہ بذریعہ خط غالبؔ سے مشورہ کر لیتے تھے۔

غالبؔ کے خطوط سے ظاہر ہے کہ اُنھوں نے زندگی کے آخری نو، دس برس میں شاعری کی طرف بہت کم توجہ دی ہے۔ اصلاحِ سخن کا شغل البتہ جاری رکھا۔ ۱۸۶۵ء میں لکھی ہوئی ایک غزل کے تین اشعار درج ذیل ہیں:

بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے — غلامِ ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
تمھاری طرز و روِش جانتے ہیں ہم کیا ہے — رقیب پر ہے اگر لُطف تو ستم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالبؔ کی آتش افشانی — یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اُس میں دم کیا ہے

امتیاز علی عرشی، دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) میں اس غزل کے حاشیے میں رقم طراز ہیں:

''اس غزل کا مطلع اوّل اور مقطع میرزا صاحب نے مہر کے خط میں نقل کیا ہے نیز اس کے بارے میں علائی کو ۲۲۔ ستمبر ۱۸۶۵ء کے خط میں لکھا ہے کہ تم نے اشعارِ جدید مانگے۔ خاطر تمھاری عزیز، ایک مطلع، صرف دو مصرعے آگے کے کہے ہوئے، یاد آگئے کہ وہ داخلِ دیوان بھی نہیں۔ اُن پر فکر کر کے ایک مطلع اور پانچ شعر لکھ کر، سات بیت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں۔

بھائی! کیا کہوں، کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں آئی ہیں؟ اور وہ بھی بلند رتبہ نہیں۔'' (۱۵)

غالبؔ نے ایک غزل دوسرے سفر رام پور کے دوران میں کہی تھی جس کا مطلع ہے:

لطفِ نظارۂ قاتل، دمِ بسمل، آئے — جان جائے، تو بلا سے، پہ کہیں دل آئے

اِس کا مقطع اس طرح ہے:

آج ہم حضرتِ نواب سے بھی مل آئے　　اب ہے دلّی کی طرف کوچ ہمارا غالبؔ

مولانا عرشی اس غزل کے حاشیے میں رقم طراز ہیں:

''یہ غزل میرزا صاحب نے اپنے دوسرے سفرِ رام پور میں ۲۸۔ دسمبر ۱۸۶۵ء کو یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے کہی تھی۔ اُس زمانے میں کلب علی خاں بہادر رام پور کے نواب تھے۔'' (۱۶)

اِس غزل میں لفظوں کا انتخاب، مضمون کی سادگی، داخلی جذبات کا بے ساختہ اظہار، ایک ایک خوبی، رام پور کے مزاجِ سخن کا اظہار کرتی ہے۔ اُن کی رباعیات اور قطعات میں بھی یہی انداز پایا جاتا ہے۔ غالبؔ کا والیٔ رام پور کے ساتھ تجدیدِ تعلق حسنِ اتفاق تھا جس کے ثمرات نہ صرف اُن کی ذات کو پہنچے بلکہ اِس موانست کے نتیجے میں رام پور کا شعری ادب تاریخِ ادبِ اردو میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہو گیا۔ مولانا عرشی اِس واقعے کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''حسنِ اتفاق سے مولانا فضل حق خیر آبادی رام پور میں فروکش تھے انھوں نے وقتاً فوقتاً سرکار کے روبرو میرزا صاحب کے اشعار پڑھے، جس سے سرکار اُن سے مراسلت اور مشورۂ سخن کے مشتاق ہو گئے۔'' (۱۷)

غالبؔ کی زندگی میں اُن کی پذیرائی اُن کے مرتبے کے مطابق نہ ہو سکی تاہم ایسا بھی نہیں کہ اُن کے عہد میں علم و ادب سے وابستہ لوگوں نے اُن کا ذکر ایک منفرد اور بلند مرتبہ شاعر کے طور پر نہ کیا ہو۔ امیر مینائی ''انتخابِ یادگار'' میں رقم طراز ہیں ''الحاصل مرزا صاحب کی طباعی اور ذکاوت اُن کے نتائجِ افکار سے پیدا ہے، بات سے بات پیدا کرنا تمام کلام سے ہویدا ہے'' (۱۸) مثالاً اُنھوں نے غزل، قصیدہ، قطعات وغیرہ سے بہت سے اشعار لکھے ہیں اور آغاز حضرت علی کی منقبت میں لکھے گئے قصیدے کے دو اشعار سے کیا ہے۔

کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے　　رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بت خانۂ چیں

تیری مدحت کے لیے ہیں دل و جاں، کام و زباں　　تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم، دست و جبیں

خوش معرکۂ زیبا میں سعادت خاں ناصر لکھتے ہیں:

''صاحب رائے صائب، مرزا نوشہ اسد اللہ خاں تخلص غالب، نقاوۂ دودمانِ کریم، خلاصہء خاندانِ فہیم، خوش لہجہ، معجز بیان، کہیں مقطع میں غالبؔ، کہیں اسدؔ، سخن اُس کا مستند۔'' (۱۹)

کلامِ غالبؔ کی تعریف میں مرزا قادر بخش صابرؔ دہلوی یوں رقم طراز ہیں:

''سخن کی فراوانی اور ہجومِ معانی اور متانتِ تراکیب اور رشاقتِ اسالیب اور شوخیِ اشارات اور چستیِ عبارات گاہ اجمال کی رعایت سے آفتاب کو لباسِ ذرّہ میں جلوہ دینا اور گاہ تفصیل کے اقتضا سے تخم کو نہال کی صورت میں نشو ونما بخشنا۔ جدائی کو فصل اور ملاقات کو وصل کے قبیل سے ٹھہرا کر مباحثِ سخن میں بلاغت کے ساتھ ادا اور حشو وزوائد سے بزمِ کلام میں مثل صحبتِ زہاد اجتناب کرنا اور اسی طرح اور باتیں جو لوازمِ سخن اور مقتضیاتِ فن سے ہیں، جیسے اس ناظمِ کشورِ کمال میں مشاہدہ ہوئی ہیں، کم کسی میں دیکھی گئیں۔'' (۲۰)

میر مہدی مجروحؔ جو غالبؔ کے چہیتے شاگرد تھے۔ اپنے استاد کے بارے میں اردوئے معلّی کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''حضرت کا جو سخن ہے وہ دُرِ عدن، جو بات ہے از رہِ معنی کرامات ہے۔ یہ نثر کی رنگینی، یہ نظم کی شیرینی، یہ غزل کی فصاحت، یہ قصیدہ کی متانت، یہ لفظوں کی محبوبی، یہ ترکیب کی خوش اسلوبی، یہ جدّتِ معانی، یہ طلاقتِ لسانی، یہ سلاستِ عبارت یہ روانیِ مطالب، دیکھی نہ سنی۔'' (۲۱)

غالبؔ کے ایک اور ہم عصر سید محمد صدیق حسین کی رائے میں:

''شاہجہاں آباد کے نامی سخن وروں میں سے ہے۔ قوتِ فکر خداداد کا مالک ہے۔ اشعار کی خوش وضع بنیاد تعمیر کرتا ہے، اور دلکش معنی اختراع کرتا ہے۔ بیشہء سخن وری کا شیر ہے اور معنی گستری کی ولایت کا فرماں روا۔ نثر ونظم میں طرزِ خاص، کا مالک ہے اور دل نشین تراکیب ایجاد کرتا ہے۔'' (۲۲)

غالبؔ غزل گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ قصیدہ لکھنا اور وہ بھی کسی صاحبِ حیثیت فرد کی شان میں، اُن کے مزاج کو سخت گراں گزرتا تھا۔ ۱۸۴۰ء میں نواب محمد سعید خاں مسندِ رام پور پر متمکن ہوئے تو اُن کے چھوٹے بھائی عبداللہ خاں کی خواہش تھی کہ غالبؔ نواب مذکور کی مدح میں قصیدہ لکھیں۔ مرزا نے عبداللہ خاں بہادر کے ساتھ دوستانہ مراسم کے باوجود یہ مدح سرائی گوارا نہ کی۔ ''لیکن میرزا صاحب نے ۱۸۴۰ء میں جس کام کے سرانجام نہ پانے کا عذر کیا تھا، چند سال کے بعد قدرت اُن سے وہی کام لینے والی تھی چنانچہ اس مراسلت کے پندرہ سال بعد اپریل ۱۸۵۵ء میں، نواب جنت آرامگاہ نے وفات پائی اور نواب فردوس مکاں، تخت نشیں ہوئے میرزا صاحب نے ''شاہ وگدا'' کے رابطے کو مدِّ نظر رکھ کر قطعہ تاریخ

جلوس ارسال کیا۔'' (۲۳)

غالبؔ نے فارسی اور اردو، دونوں زبانوں میں بہت عمدہ قصیدہ لکھا مگر اُن کے اصل جوہر نعت اور منقبت میں کھلتے ہیں۔ جہاں تک عرشی صاحب کے طنزیہ پیرائے کا تعلق ہے تو یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ غالبؔ نے حالات سے مجبور ہو کر نواب رام پور تو کیا بعض انگریز منصب داروں کی شان میں بھی قصیدے لکھے ہیں اور یہ قدم اُس وقت اٹھایا جب ایک ذی نفس کے لیے حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔ نواب یوسف علی خاں ناظم کے ساتھ غالبؔ کا تعلق ایسا تھا جس میں اُن کی انا مجروح نہیں ہوتی تھی۔ اس بات کا اظہار خطوطِ غالب میں جابجا ملتا ہے کہ نواب ناظم اُن کی مدد، ایک شاگرد کی حیثیت سے اور ایک بے تکلف دوست کی طرح سے کرتے تھے۔

نواب مذکور کے نام غالبؔ نے جو خطوط لکھے اُن میں سے ۳۹ خط اردو اور ۴ فارسی میں تحریر کردہ دستیاب ہوئے جن کا متن امتیاز علی عرشی نے مرتب کیا۔ عرشی صاحب کے بقول:

> ''نواب فردوس مکاں اور نواب خلد آشیاں کے فرامین کے مسودوں نیز مرزا صاحب کے زیرِ نظر مکاتیب میں تقریباً ۱۳۵ ایسے خطوں کے حوالے ملتے ہیں جو مثلوں میں موجود نہیں ہیں۔'' (۲۴)

رام پور میں غالب کے مکتوب الیہان اور بھی تھے جن میں زیادہ تر شاگرد تھے۔ کلامِ غالبؔ کی تنقید کے حوالے ہم یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اردو زبان پڑھنے اور بولنے والے کروڑوں لوگ اُنھیں پسندیدہ شاعر گردانتے ہیں۔ لاکھوں اردو خواں اُن کی نظم و نثر کے دیوانے ہیں۔ ہزاروں سخن فہم اُن کے مداح ہیں۔ سینکڑوں پایہ شناس اُن کے کلام پر اپنی رائے ضابطۂ تحریر میں لا چکے ہیں۔

غالبیات اردو زبان و ادب کا ایک باوقار شعبہ ہے جس میں باقاعدگی کے ساتھ ایک معتد بہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ گذشتہ سطور میں غالبؔ کے ہم عصر نقادوں کی رائے پیش کی گئی۔ اب بیسویں صدی کے ناقدین کی آراء کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد کے لکھنے والوں نے غالبؔ کے مقام و مرتبہ کے تعین میں زیادہ تفحص سے کام لیا ہے۔ بیسویں صدی کی تنقید غالب فہمی میں بہت معاون ثابت ہوئی ہے کیوں کہ اس میں غالب کے زاویۂ نظر کا جائزہ لے کر اُن کے متن کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

عبدالماجد دریابادی کے خیال میں:

''مہینے کا نیا چاند ہم آپ سب ہی دیکھتے ہیں لیکن حضرتِ غالبؔ کا دیکھنا ہی کچھ اور تھا۔

حکیمانہ نظر نے دیکھا اور نکتہ پیدا کیا کہ چودھویں کا جواتنا بڑا طباق سا چاند ہوتا ہے، وہ آخر
پیدا ہوتا ہے، اسی کم رو اور خیال کی طرح نازک و باریک ہلال سے۔ گویا کمال کی بنیاد،
ضعف، اضمحلال ہی سے پڑتی ہے۔

غافلاں! نقصاں سے پیدا ہے کمال' بدر ہے آئینہء طاق ہلال' (۲۵)

تنقیدِ غالب میں ایک نیا موڑ اُس وقت آیا جب دیوانِ غالب نسخۂ حمیدیہ، کا مقدمہ قارئین تک پہنچا۔ یہ مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کا لکھا ہوا تھا۔ کلامِ غالب کی تحسین کا یہ انداز جس میں عقیدت کا پہلو بھی شامل تھا قارئین کو غالب کی شخصیت اور فن کی جانب متوجہ کرنے میں بہت معاون ثابت ہوا۔ مثال کے طور پر صرف ایک جملہ دیکھیے:

''غالب نے بزمِ ہستی میں جو فانوسِ خیال روشن کیا ہے، کون سا پیکرِ تصویر ہے جو اس کے
کاغذی پیراہن، پر منازل زیست قطع کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔'' (۲۶)

غالب کی شاعری کے کئی ارتقائی مراحل میں سے تین خاص طور پر اہم ہیں: ایک وہ جب غالب نے طرزِ بیدل کو رہنما مان کر شاعری کی، دوسرا وہ جب معترضین کا غیر محسوس انداز میں اثر قبول کرتے ہوئے نامانوس فارسی تراکیب سے احتراز کیا، تیسرا مرحلہ وہ ہے جب سادگی و پُرکاری اُن کے کلام کی نمایاں خصوصیات بن گئیں۔ رام پور کے ساتھ غالب کا تعلق اُس وقت اُستوار ہوا جب وہ سادہ اسلوب کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ دبستانِ رام پور کی بنیاد، قائم چاند پوری کے ہاتھوں اسی طرزِ سخن کے مطابق رکھی جا چکی تھی۔ غالب نے اپنے رام پوری شاگردوں کی تربیت کرکے اس بزمِ سخن کو زیادہ باوقار بنا دیا۔

رام پور کے ساتھ غالب کا تعلقِ خاطر، اُن کی نثر اور نظم دونوں میں بھرپور اظہار پاتا ہے۔ فروری ۱۸۶۰ء میں رام پور سے میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں:

''بیٹھو، یہ رام پور ہے۔ دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے؟ پانی، سبحان
اللہ! شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے، اور کوسی اُس کا نام ہے۔ بے شبہہ چشمہء آبِ
حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر، اگر یوں بھی ہے تو بھائی، آبِ حیات عمر بڑھاتا
ہے لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔'' (۲۷)

غالب کا ایک قطعہ بھی رام پور کی شان میں لکھا ہوا دستیاب ہے جو اُنھوں نے ۳ر نومبر ۱۸۶۷ء کو نواب کلبِ علی خاں کے نام اپنے خط کے ساتھ بھیجا تھا۔

رام پور اہلِ نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آکے ہوئے ہیں باہم

رام پور آج ہے وہ بقعہ معمور کہ ہے
مرجع و مجمعِ اشراف نژادِ آدم

رام پور ایک بڑا باغ ہے از روئے مثال
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خرّم

جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں برسیں
ہے اسی طور پہ یاں دجلہ فشاں دستِ کرم

ابر دستِ کرمِ کلبِ علی خاں سے مُدام
دُرِّ شہوار ہیں جو گرتے ہیں قطرے پیہم

صبح دم باغ میں آ جائے جسے ہو نہ یقیں
سبزہ و برگِ گل و لالہ پہ دیکھے شبنم

مسلکِ شرع کے ہیں راہبر و راہ شناس
خضر بھی یاں اگر آ جائے تو لے اُن کے قدم

ہم نہ تبلیغ کے مائل نہ غلو کے قائل
دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم

یا خدا غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلب گار ہے جن کا ، عالم

اولاً ، عمر طبیعی بدوامِ اقبال
ثانیاً دولتِ دیدارِ شہنشاہِ امم!‘‘ (۲۸)

غالبؔ نے رام پور میں نواب ناظمؔ کے علاوہ گیارہ شعرا کے کلام کی اصلاح خط کتابت کے ذریعے کی۔ اُن کے تخلص درج ذیل ہیں۔ احسنؔ، اخگرؔ، بیتابؔ، سروشؔ، فداؔ، شہابؔ، مغلوبؔ، محشرؔ، شہپرؔ، نادمؔ، نظامؔ۔

نظامؔ رام پوری کو معروف استاد ہونے کا شرف ملا اور غالبؔ دبستانِ رام پور کے رجحان ساز شعرا کے اُستاد ہوئے۔ اِس عظیم شاعر کے بارے میں حرفِ آخر کے طور پر سجاد باقری رضوی مرحوم کے الفاظ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو غالبؔ کو ایک زندہ استعارہ قرار دیتے ہیں۔

’’۱۸۶۹ء غالبؔ کی موت کا سن ہے اور ۱۹۶۹ء غالبؔ کی زندگی کا۔ سو برس پہلے کا غالبؔ قومی حدود کا پابند تھا۔ آج کا غالب بین الاقوامی سطح پر سرگرم ہے۔ وہ غالبؔ جو مر چکا محض ایک نشان تھا۔ وہ غالبؔ جو آج اس آب و تاب سے زندہ ہے ایک زندہ استعارہ ہے۔‘‘ (۲۹)

☆☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

۱۔ امتیاز علی خاں، عرشی؛ مرتبہ۔ مکاتیب غالب، دیباچہ از مرتب (رام پور: رضا لائبریری، ۱۹۴۵ء) ص ۲
۲۔ حالیؔ، مولانا الطاف حسین۔ یادگار غالب (لاہور: مکتبہء عالیہ، ۱۹۸۷ء) ص ۱۸
۳۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ شرح دیوان غالب (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۹ء) ص ۲۴
۴۔ ڈاکٹر خلیق انجم، مرتب۔ غالب کے خطوط، حصہ سوم (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۰ء) ص ۱۰۷۳
۵۔ مرزا سجاد علی اختر۔ 'غالب کے سفر' مشمولہ سورج، تسلیم احمد تصور، مدیر (لاہور: سورج پبلشنگ بیورو، ۲۰۰۳ء) ص ۳۸۲
۶۔ حالیؔ، مولانا الطاف حسین۔ یادگار غالب، ص ۴۰
۷۔ خلیق انجم، ڈاکٹر۔ مرتب۔ غالب کے خطوط، حصہ سوم، ص ۱۱۷۹
۸۔ امتیاز علی خاں عرشی۔ مکاتیب غالب، (رام پور: رضا لائبریری، ۱۹۴۵ء) ص ۶
۹۔ امتیاز علی خاں عرشی۔ مکاتیب غالب، ص ۱۱
۱۰۔ سہیل عباس بلوچ، ڈاکٹر۔ اردو شاعری میں اصلاحِ سخن کی روایت (لاہور: مجلس ترقی ادب ۲۰۰۸ء) ص ۲۹۲
۱۱۔ امتیاز علی خاں عرشی۔ مکاتیب غالب، ص ۳۸۔۳۹
۱۲۔ امتیاز علی خاں عرشی۔ مکاتیب غالب، ص ۴۴
۱۳۔ امتیاز علی خاں عرشی۔ مکاتیب غالب، ص ۵۰
۱۴۔ مرزا سجاد علی خاں اختر۔ 'غالب کے سفر' مشمولہ سورج، ص ۳۸۲
۱۵۔ امتیاز علی خاں عرشی، مرتب۔ دیوانِ غالب (نسخہ عرشی) (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۶ء) ص ۳۳۸
۱۶۔ امتیاز علی خاں عرشی، مرتب۔ دیوانِ غالب (نسخہ عرشی) ص ۴۳۳
۱۷۔ امتیاز علی خاں عرشی، مرتب۔ دیوانِ غالب دیباچہ مرتب؛ ص ۷۵
۱۸۔ امیرؔ مینائی، امیر احمد۔ انتخاب یادگار، ص ۲۴۱
۱۹۔ سعادت خاں ناصرؔ۔ خوش معرکہ زیبا، مشفق خواجہ، مرتب (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء) ص ۱۹۰
۲۰۔ مرزا قادر بخش صابرؔ دہلوی۔ گلستانِ سخن، جلد دوم، خلیل الرحمن داؤدی؛ مرتب (لاہور: مجلس ترقی ادب

۱۹۶۶ء) ص ۲۴۸۔۲۴۹
۲۱۔ میر مہدی مجروح ۔ 'دیباچہ اردوئے معلیٰ' مشمولہ تنقید غالب کے سو سال، سید فیاض محمود، مرتب (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء) ص ۴
۲۲۔ سید محمد صدیق حسین خاں ۔ 'غالب میرزا، اسد اللہ خاں دہلوی، اردو ترجمہ مشمولہ تنقید غالب کے سو سال، ص ۷
۲۳۔ امتیاز علی خاں عرشی، مرتب ۔ دیوانِ غالب دیباچہ مرتب؛ ص ۷۴۔۷۵
۲۴۔ امتیاز علی خاں عرشی، مرتب ۔ دیوانِ غالب دیباچہ مرتب؛ ص ۲۵۴
۲۵۔ عبدالماجد دریابادی ۔ 'غالب کا فلسفہ' مشمولہ تنقید غالب کے سو سال، ص ۱۱۴
۲۶۔ عبدالرحمٰن بجنوری، ڈاکٹر 'محاسنِ کلام غالب' مشمولہ تنقید غالب کے سو سال، ص ۱۲۳
۲۷۔ خلیق انجم، ڈاکٹر غالب کے خطوط، حصہ دوم (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۸۹ء) ص ۵۱۷
۲۸۔ امتیاز علی خاں عرشی، مرتب ۔ دیوانِ غالب (نسخہ عرشی) ص ۳۶۰
۲۹۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر ۔ معروضات (لاہور: پولیمر پبلیکیشنز ۱۹۸۸ء) ص ۴۹

❀......❀......❀